علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ کا سفر آخرت

تحریر: افتخار احمد سلفی میرپور خاص سندھ

قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب ہی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

۸ جنوری بروز پیر، نو بجے شب دنیا کا یہ عظیم انسان، فضل و کمال کا پیکر دار فانی سے منہ موڑ کر دار قرار کو سدھار رہا تھا۔ قرآن کا یہ مفسر، حدیث نبوی کا محدث، علم و عرفان کا مہتاب ایک عالم کو روشن کر کے سرزمین سندھ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ لیکن نہیں نہیں دنیا کے چاند اور سورج کی طرح نہیں کہ جب ڈھوبیں تو تمام عالم تاریک کر دیں بلکہ اس چراغ کی مثل کہ جس سے دوسرے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو دوام بخشے! اللھم اغفر لہ و ارحمہ و عافہ و اعف عنہ

شاہ صاحب نے یکم جنوری کو جامعہ بحرالعلوم السلفیہ میرپور خاص میں امتحان لینے کے لئے آنا تھا کہ اچانک طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کراچی روانہ ہونا پڑا۔ حاجی محمد اسماعیل وکیل مہتمم جامعہ کے رابطہ سے شاہ صاحب نے معذرت کر لی۔ شاہ صاحب کو اکثر اوقات ہاتھ میں شدید تکلیف ہوا کرتی تھی جس کے باعث ان کا کراچی آنا جانا رہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں شاہ صاحب کراچی آئے ہوتے تھے لیکن شاہ صاحب کو کیا معلوم کہ یہ ان کی زندگی کا آخری سفر ہے۔ شاہ صاحب بالکل صحت یاب ہو گئے تھے اور جماعتی کام کے سلسلہ میں اب مقیم تھے۔ شاہ صاحب نے ۸ جنوری بروز پیر راشدی مسجد لیاری میں عشاء کی نماز کے بعد درس بھی دیا اور ساتھیوں سے ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ ناصر رحمانی سے مل کر ھنگورا ہال جو راشدی مسجد کے قریب تھا آرام کے لئے چلے گئے اور شاہ صاحب کی عادت تھی کہ جب بھی کراچی علاج، جماعتی یا تبلیغی پروگرام کے لئے تشریف لاتے تو ھنگورا ہال میں رات کو آرام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب جب گھر آرام فرمانے لگے تو چند لمحوں بعد شاہ صاحب کے سر میں شدید درد

اٹھا جو جان لیوا ثابت ہوا اور گھر والوں نے فورا ڈاکٹروں کو اطلاع دی اور شیخ ناصر صاحب بھی اطلاع ملنے پر تشریف لے آئے۔ ان کی آمد تھی اور شاہ صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ شیخ صاحب شاہ صاحب کے ہر سفر میں ان کے ساتھی ہوتے تھے اور یہ حسن اتفاق تھا کہ شاہ صاحب کا سفر آخرت تھا اور شیخ صاحب حاضر تھے۔ مسافر نے " الوداع اے زندگی الوداع " کہا اور راہی عدم ہوا اور انہیں الوداع کہنے والے سب مغموم اور افسردہ تھے۔ ان کی آنکھیں پرنم تھیں اور دل رو رہے تھے۔ آپ کی موت کی خبر نہ صرف کراچی بلکہ پورے پاکستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور بی بی سی لندن نے اپنی تیسری مجلس کی نشریات میں شاہ صاحب کی موت کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ " دنیا کے تین عظیم محدث اور عالم دین میں سے ایک ممتاز عالم دین اور جمعیت اہلحدیث سندھ کے امیر رحلت فرما گئے۔ " ان کی عمر ۷۰ برس کی تھی۔ مرحوم کی میت رات ہی کراچی سے نیو سعید آباد پہنچا دی گئی اور لوگ بھی رات ہی پہنچنا شروع ہو گئے۔

نماز ظہر کے بعد شیخ عبداللہ ناصر رحمانی صاحب نے نہایت رقت آمیز اور پرسوز جہری قرات کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ سورۃ الفاتحۃ کے بعد جب انہوں نے سورۃ الفجر کی آخری آیات یایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ... تلاوت کیں تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی تھی۔ نماز جنازہ کے بعد شاہ صاحب کا آخری دیدار کروایا گیا جو تقریبا دو گھنٹے تک جاری رہا' لوگوں کا اژدھام اس قدر تھا کہ سب کے سب اس شرف سے مشرف نہ ہو سکے۔ اس کے بعد میت کو نیو سعید آباد سے دو میل دور شمال کی جانب ان کے آبائی گاؤں پیر آف جھنڈا لے جایا گیا۔ وہاں بھی لوگ کثیر تعداد میں اپنے محسن کے آخری دیدار کے منتظر تھے چنانچہ ان کی خواہش کا پورا کیا گیا اور گاؤں والوں کے اصرار پر ایک مرتبہ پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس مرتبہ جماعت غرباء اہل حدیث کے ممتاز عالم دین شیخ عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ نے امامت کروائی۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو ان کے برادر و بزرگ

سید محب اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس طرح یہ خزانہ علم و فن اور عالم باعمل ہمیشہ کے لئے لاتعداد سوگواروں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بچھڑا کچھ اس طرح کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

شاہ صاحب کو سپرد خاک کرنے سے پہلے مختلف علماء کرام نے اظہار خیال فرمایا اور شاہ صاحب کی موت کو ایک عظیم المیہ قرار دیا۔ جامعہ ابی بکر کراچی کے شیخ الحدیث نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ صاحب دنیا و دین کی ایک عظیم ہستی تھی جن کی اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، علم و عمل، نور بصیرت اور انتہائی مضبوط قوت حافظہ سے مالا مال تھے اور کہا جب ہمیں کسی مسئلہ میں دقت محسوس ہوتی تو ہم شاہ صاحب کی طرف رجوع کرتے لیکن اب ہم .....

شاہ صاحب دنیا کے اندر ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور صاحب فضل و کمال تھے۔ مفسر کتاب حدیث، فنون عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، خزانہ علوم القرآن، محب رسول عربی، دلدادہ حدیث نبوی، حاضر جواب، مقرر شیریں بیاں، خطیب نکتہ طراز، خلوت گزیں، مجمع کمال اور گوشہ نشیں، محفل آراء دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز، دولت و ثروت سے مستغنی، عربی کے ادیب اور شاعر، اردو کے ماہر مصنف، متوکل علی اللہ، مجسمہ فہم و تدبر، اسلامی فلسفہ میں یکتا، علم و مطالعہ کے علاوہ ہر شئی سے لاتعلق اور اسلاف کی بے شمار خوبیوں کے حامل تھے۔

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد جناب احسان اللہ راشدی سے حاصل کی لیکن جب آپ کی عمر ۱۴ سال ہوئی تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد شاہ صاحب مختلف اساتذہ سے مختلف جگہوں پر اخذ فیض کرتے رہے۔ اور ہر فن کی کتب آخر تک پڑھیں اور شاہ صاحب نے علامہ شیخ ابو محمد عبدالحق بہاول پوری، اور مفسر قرآن، امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور عمدۃ العلماء علامہ حافظ محمد عبداللہ روپڑی سے اسناد حدیث حاصل کیں۔

فراغت کے بعد جب شاہ صاحب کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی تو شاہ صاحب نے صرف ۳ ماہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور اپنے قائم کردہ مدرسہ میں تدریس کا کام سرانجام دینے لگے۔ اس کے بعد دارالحدیث مکۃ المکرمۃ کی خواہش پر وہاں تشریف لے گئے اور وہاں درس کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ کی درخواست پر معہد الحرام میں تقریبا دو سال تک تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے۔ وطن واپسی پر تبلیغی اور تصنیفی کام شروع کیا۔

شاہ صاحب نے مستقل تدریس کا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آج سندھ علماء سے محروم ہے لیکن شاہ صاحب نے تبلیغ اور تصنیف کی طرف بہت توجہ دی اور آپ نے اپنی پوری عمر توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں گزاری اور مختلف ممالک کے دورے کئے جن ممالک کے دورے کئے ان میں ہندستان' بنگلہ دیش' کویت' سعودی عرب' الامارات المتحدہ العربیہ ' شارجہ ' دوبئ' ابو ظہبی' خورفقان' عجمان' برطانیہ' امریکہ شامل ہیں۔ آپ جہاں بھی گئے توحید کی دعوت اور شرک کی تردید کرتے رہے۔

شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد اس وقت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تقریبا پونے دو سو تک پہنچ چکی ہے جن میں عربی' اردو اور سندھی کتب شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے عربی کتابوں کا رد بڑے محققانہ' عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں کیا ہے اور ایک کتاب " وصول الالهام لاصول الاسلام " عربی میں لکھی ہے جس میں ایک بھی نقطہ نہیں ہے اس کتاب سے شاہ صاحب کی عربی زبان پر دسترس کا صحیح اندازہ ہوتا اور ایک کتاب منظوم ہے جو کہ عربی میں ہے۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ بدیع التفاسیر ہے جو کہ سندھی زبان میں ہے۔ اس کی چھ جلدیں منظر عام پر آئیں تھیں اور تقریبا تیرہ سپارے مکمل ہوئے تھے کہ زندگی نے مزید آپ کا ساتھ نہ دیا اور لوگوں کے اصرار پر آپ نے بدیع التفاسیر کو عربی میں بھی لکھنا شروع کر دیا تھا اور اس کا بھی مقدمہ لکھا جا چکا تھا۔

باقی صفحہ ۳۳ پر